ابتدائی مسائل سے انتہائی مسائل تک

تحریر: سہیل احمد لون

جرمنی اور جاپان کے متعدد شہر دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر کھنڈرات کی شکل اختیار کر گئے۔ اگر ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم نہ گرائے جاتے تو شاید جاپانی کبھی ہتھیار نہ ڈالتے۔ جنگ کے بعد جرمنی میں مردوں کی تعداد میں خطرناک حد تک کمی آ گئی ملک کی از سر نو تعمیر ترقی کے لیے جرمنی کی مدد کے لیے ترکی باشندوں نے اپنی خدمات پیش کیں یہی وجہ ہے کہ آج جرمنی میں ترک باشندوں کی ایک کثیر تعداد آباد ہے۔ جرمنی میں کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہیں جہاں پر ترکوں نے مسجد نہ بنائی ہو۔ آج بھی جرمنی میں ترک باشندوں کو عام مہاجرین سے ہٹ کر عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جرمنی اور جاپان نہ صرف اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے بلکہ چار دہائیوں میں اپنی معیشت بہت مستحکم کر لی کہ 90 کی دہائی میں جرمن اور جاپان کی معیشت دنیا کے بہترین والے ممالک میں شامل تھی۔ جرمنی کو دنیا کی بارہ بہترین گاڑیاں بنانے کا اعزاز حاصل ہے تو جاپان الیکٹرانک کے شعبہ میں ایک پہچان بن گیا۔ سونامی کی تباہ کاریوں کے بعد جاپان نے بین الاقوامی امداد لینے سے انکار کر دیا اور اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے نقصانات کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ محنت، دیانتداری، خود اعتمادی، خود انحصاری اور خودی جیسے اوصاف اگر کسی عوام میں ہوں تو اسے قوم بننے میں دیر نہیں لگتی۔ جرمن اور جاپانی قوم میں یہ اوصاف موجود تھے انہوں نے علم و ہنر اور بہتر نظام تدریس سے ترقی کی منازل طے کر کے یہ ثابت کر دیا کہ قومیں اگر زندہ ہو تو انہیں گر کر اٹھنے اور اٹھ کر سنبھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ گزشتہ عالمی کساد بازاری global recession میں بھی جرمنی اور جاپان اس کے اثر سے بہت جلد باہر آنے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے برعکس برطانیہ اور امریکہ ابھی تک دوبارہ پہلے والی معاشی حالت تک پہنچنے میں ناکام ہیں۔ جرمن اور جاپانی قوم میں جہاں کافی قدریں مشترک ہیں وہاں ایک یہ خوبی بھی دونوں میں پائی جاتی ہے وہ اپنے ملک کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرتے۔ جرمن قوم کے بارے میں میں ذاتی رائے اس لیے رکھتا ہوں کہ وہاں میں نے اپنی زندگی کے بارہ برس گزارے ہیں۔ وہاں مجھے اپنی اعلیٰ تعلیم مکمل کرنے اور بین الاقوامی شہرت یافتہ کمپنیوں میں کام کرنے کا موقع بھی ملا۔ وہاں پر آباد مہاجرین، پناہ گزین اور دیگر یورپین ممالک کے لوگ جرمن کو چڑانے کے لیے kartoffel جس کا مطلب آلو ہے کہتے تھے۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ جنگ عظیم کے بعد جرمنی میں کھانے پینے کی کافی قلت ہو گئی تھی۔ اس وقت سب سے زیادہ جو چیز میسر تھی وہ ''آلو'' تھے۔ جرمن قوم نے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی بجائے آلو کھانے کو ترجیح دی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جرمن کی کوئی ڈش آلو کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ جرمنی کے شہر فرینکفورٹ میں میری ایک ہمسائی مادام کلوڈیا جو تقریباً پچاسی برس کی تھیں اور ریٹائرڈ لائبریرین تھیں انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ تین بہنیں تھیں اور جنگ عظیم کے دوران ان کے شہر پر کافی بمباری ہوئی جس میں ان کے والد مارے گئے اور وہ اپنی والدہ کیساتھ کسی دوسرے شہر چلی گئیں۔ جنگ کے بعد ان کے مالی حالات بہت خراب تھے، ان کے پاس جوتیوں کے صرف دو جوڑے تھے، گھر میں وہ ننگے پاؤں ہی پھرتے اور جس نے باہر جانا ہوتا وہ

جوتے پہن کر جاتا۔اس وقت جوتوں کی کمی کے باعث گھروں میں ننگے پاؤں پھرنا ایک معمول کی بات تھی،شاید وہ ایک رسم یا ثقافت بن گئی کہ آج بھی جرمن لوگ اپنے گھروں میں جوتا پہننے کو ترجیح نہیں دیتے۔کلوڈیا نے بتایا کہ انہوں نے نامناسب حالات میں بھی اپنی تعلیم مکمل کی۔تعلیم حاصل کرنا اس لیے نہیں ضروری تھا کہ صرف اپنے لیے کوئی روزگار ڈھونڈ سکیں بلکہ ہمارا یہ مشن تھا کہ ملک کو جلد از جلد بہتر حالت میں لائیں۔جرمن کے پہلے چانسلر کونراڈ آڈے ناور نے جنگ عظیم کے بعد جب حکومت بنائی تو تعلیم کی ایمرجنسی لگائی اور تعلیم حاصل کرنے کے لیے بہت سی سہولتیں بھی عوام کو دیں،آئن سٹائن کی بنائی ہوئی ریسرچ لیبارٹریز کو ایسے ہی آباد رکھا جیسے ہم نے مساجد کو آباد رکھا ہے۔تعلیم کی قدرومنزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج بھی جرمنی کے ہر شہر میں زیادہ تر شاہراہوں اور گلیوں کو سائنسدانوں،فلاسفروں،ادیبوں،دانشوروں،شاعروں اور چند اعلیٰ پائے کے سیاستدانوں کے نام ہیں۔جرمنی کا شہر ہائیڈل برگ جسے یونیورسٹیوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے وہاں پر ایک سٹریٹ اقبال اوفر Iqbal Ufer ہے جو علامہ اقبال کے نام پر موسوم ہے۔یہاں شاعر مشرق نے کچھ عرصہ قیام کیا تھا۔ہٹلر کی آمرانہ سوچ اور حرکات سے جرمنی کو جو نقصان پہنچا اس سے جرمن قوم نے یہ سبق سیکھا کہ انہوں نے ملک میں مستقل بنیادوں پر حقیقی جمہوریت پروان چڑھائی۔فوج کو برا بھلا نہیں کہا بلکہ یہ قانون بنا دیا کہ ہر جرمن مرد شہری بالغ ہونے کے بعد دو برس کے لیے جرمن فوج کا حصہ بن کر ٹریننگ کرے گا جسے Bundeswehr کا نام دیا جاتا۔ٹریننگ کے بعد اگر کوئی چاہے تو فوج میں با قاعدہ شمولیت اختیار کر سکتا تھا مگر اس کے بعد فوج میں رہنے کی قانونی پابندی نہیں ہوتی۔کئی دہائیوں تک یہ قانون نافذ عمل رہا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جرمنی کی آدھی آبادی ہنگامی حالات میں ملک کا دفاع کرنے کے قابل ہو گئی اور جرمن قوم کو پتہ چل گیا کہ فوج میں میں موج نہیں اور شاید اسی وجہ سے کبھی کسی نے فوج پر تنقید کرنے کی جرات نہیں کی ہمارے ہاں تو فوج کو گالی دینا بھی ایک مخصوص طبقے کا سمبل بن گیا ہے۔recession کے دوران جرمن حکومت نے Bundeswehr لازمی کرنے کا قانون ختم کر دیا۔ہٹلر کی ایک خوبی آج بھی جرمن قوم میں صاف دکھائی دیتی ہے وہ ان کا نظم وضبط ہے،وقت کی پابندی ہے۔جرمن قوم کی ترقی کا ایک راز یہ بھی ہے کہ کوئی شخص کوئی کام بھی کرنا چاہے اس میں اس کو پیشہ وارانہ مہارت حاصل کرنا لازمی ہے۔تعلیم حاصل کرنا ہر جرمن پر قانونی فرض ہے جس کی کم از کم حد مقرر کی گئی ہے۔اگر کوئی حجام بھی بننا چاہے تو اس کے لیے اس کو با قاعدہ پیشہ وارانہ تعلیم جسے جرمن زبان میں Beruf کہتے ہیں کرنا لازمی ہے۔موٹر مکینک،حجام،درزی،الیکٹریشن وغیرہ بننے کے لیے اس کا با قاعدہ کورس کرنا پڑتا ہے اس کے بعد وہ کسی جگہ نوکری کرنے کے اہل تو بن جاتے ہیں مگر اپنا کام کرنے کے لیے ان کو اپنے پیشہ وارانہ شعبہ میں ماسٹر ڈگری کرنا پڑتی ہے، ماسٹر کے لیے داخلہ لینے کے لیے اس شعبہ میں کم از کم نو ماہ کا (تجربہ ہونا بھی ضروری ہونا چاہیے۔جس ملک میں ہر شعبے میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ہنر مند لوگ کام کریں تو یہ کیسے ممکن ہے وہ ترقی نہ کرے۔دوران تعلیم بھی بچوں کو صرف کتابوں تک محدود نہیں رکھا جاتا بلکہ کورس کی مناسبت سے ان کو (تجربہ حاصل کرنے کے لیے فیلڈ میں کام کرنے کے مواقع سکول کی طرف سے فراہم کیے جاتے ہیں۔بچوں کو سوشل بنانے کے لیے رضا کارانہ طور پر معمولی نوعیت کے کام کرنے پر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔سکولوں میں بچوں کو سماجی کاموں میں حصہ لینے کے لیے پابند بنایا جاتا ہے، اس مقصد کے لیے فلاحی اداروں کے ساتھ مخصوص گھنٹے کام کروایا جاتا ہے۔اس میں امیر،غریب سب کے بچے بلا امتیاز حصہ لیتے ہیں اس

کے علاوہ سولہ برس کی عمر ہونے کے بعد بچوں کو موسم گرما اور سرما کی چھٹیوں میں پارٹ ٹائم جاب کرنے کا رجحان بھی ڈالا جاتا ہے تاکہ ان کو پیسے کی قدر رہو، فیلڈ میں کام کرنے اور کام تلاش کرنے میں پیش آنے والی مشکلات سے سبق سیکھا جائے۔

وطن عزیز جنگ عظیم سے قبل معرض وجود میں آ چکا تھا۔ جرمن اور جاپان ہماری ''آزادی وخودمختاری'' کے بعد تباہ برباد ہوکر چار دہائیوں میں دنیا میں طاقتور ترین ممالک میں شامل ہوگیا۔ ترانوں میں تو ہم یہ سنتے ہیں کہ ہم زندہ قوم ہیں، پائندہ قوم ہیں مگر بدقسمتی سے ہم 72 برس گزر جانے کے بعد بھی منتشر ہجوم سے 'قوم' بننے کا فارمولہ تلاش کرر ہے ہیں۔ ہمارے ابتدائی مسائل انتہائی مسائل میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ ہم نے ہر گزرتے دن کے ساتھ ایک نئے مسئلے کو جنم دیا ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے حتی کہ آرمی چیف کی تقرری یا توسیع بھی ہمارے ہاں مسئلہ بن جاتی ہے۔ آپ تخلیق پاکستان سے لے کر آج تک کے اخبارات کی فائلیں دیکھیں لیں ہم ایک مشکل اور مصیبت کا شکار رہے ہیں اور آج بھی ہیں اور اہم ترین بات یہ ہے یہ مشکلات ہماری اپنی پیدا کی ہوئی ہیں ہر بیرونی ایجنڈے پر اندرونی حکمرانوں نے عمل کر کے عوام کو دیوانی بنا رکھا ہے لیکن اب حالات بدلتے دکھائی دے رہے ہیں کہ ہم نے علم چین سے حاصل کرنا شروع کر دیا ہے۔ شاید یہی فلاح کا رستہ تھا جو ہمیں بہت پہلے اختیار کر لینا چاہیے تھا۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔ سرے

sohailloun@gmail.com

30-11-2019